

سید المفسرین صدر المحققین آیۃ اللہ العظمیٰ مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

بزرگ صحافی عالی جناب سلامت علی رضوی صاحب

جوہری محلہ میں مفتی احمد علی صاحب مرحوم، جامع مسجد تحسین گنج میں مولانا سید احمد صاحب مرحوم اور مسجد جنت مآب میں مولانا سید علی نقی صاحب مرحوم وعظ فرماتے تھے اور بلاشبہ جتنا مجمع اہل علم کا یہاں ہوتا تھا وہ اور کہیں نظر نہیں آیا۔ اہل علم کا ایسا اجتماع حاسدین کی نظروں میں کھٹکنے لگا اور

اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی

کی وجہ سے ”فتنہ شہید انسانیت“ وجود میں آیا۔ اس پر تبصرہ میرا مقصود نہیں۔ لیکن اتنا کہے بغیر آگے بڑھنے کو دل نہیں چاہتا کہ وہ جو کہتے ہیں کہ

عدو شرے برا نگیزو کہ خیر مادر آن باشد

اس فتنے نے ہم تشنگان علم و عرفان کے لئے وہی کام کیا جو صلیبی جنگوں نے اہل یورپ کے لئے ان کو بغداد کے علمی ذخیروں سے استفادہ کرنے کا موقع ملا جو ان کی ”نشاۃ الثانیہ“ کا سبب بنے اور یہاں ہم لوگوں کو پڑھے لکھے علماء کا ایک گروہ ملا جس نے دودھ اور پانی کو الگ کر دیا۔

میں نے مولانا مرحوم کے مواعظ ۱۹۳۴ء سے یعنی جب وہ عراق سے اجازۃ اجتہاد حاصل کر کے وارد کھنؤ ہوئے سننا شروع کئے۔ پہلے اپنی کم علمی کی وجہ سے پوری طرح مستفید و مستفیض نہیں ہو پاتا تھا لیکن بعد میں مذہبی کتابیں پڑھنے اور پھر خود انہی کے بیانات سنتے سنتے تمیز آئی

سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب برد اللہ مضجعة اپنی صحت فکر، اصابت رائے، علم کی تڑپ، تہذیب نفس، سیرچشمی اور بلندی نظر میں اس صدی۔۔۔۔ بیسویں صدی۔۔۔ کے واحد شیعہ عالم دین اور مجتہد العصر تھے۔ آباء کی شہرت، خاندانی دولت کی طرح ورثے میں ضرور ملی تھی لیکن انھوں نے اپنی ذاتی کاوش و محنت سے اپنے آپ کو بچھڑایا اور لوہا منوایا۔ وہ پہلے ریشم کی طرح شہوت کھاتے تھے اور ریشم اگلنے لگتے تھے۔ کم گو، کم سخن، بردبار، ہر ایک سے بات چیت میں قدر مرا تب کا خیال۔ بقول انیس

ہر کس ونا کس سے کھلنے کا نہیں
ہمدوم! میں تیغ جو ہر دار ہوں

میرے بچپن سے میری جوانی تک یعنی جب تک میں بمبئی نہیں گیا تھا لکھنؤ میں یہ دستور تھا کہ ماہ رمضان میں ہر بڑی اور تاریخی مسجد پر کوئی نہ کوئی شیعہ عالم ظہر اور عصر کی نماز باجماعت پڑھاتا تھا اور اس کے بعد وعظ کہتا تھا ان نمازوں اور مواعظ میں پہلے تو میں والد کے ساتھ حکماً جاتا تھا اس لئے کہ اس وقت اتنی تمیز ہی نہیں تھی۔ مگر جب تمیز آئی تو از خود للک سے جانے لگا۔ اس زمانے میں مسجد کوفہ (کاظمین) میں ناصر المملۃ مرحوم، مسجد نیا محل منصور نگر میں مولانا سید کلب حسین صاحب مرحوم، مسجد میر باقر سوداگر

ومعاشرہ کے کام میں مصروف رہتے تھے، ان کو مناظرہ بازی سے سخت نفرت تھی۔ اس لئے کہ مناظرہ فساد کا سبب بن جاتا ہے، اور یہ بات رواداری کے خلاف تھی۔

لیکن رواداری کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ اپنے مسلک پر ہونے والے ناروا اعتراضات کو سن کر خاموش رہا جائے۔ غلط فہمی دور کرانے کے لئے وہ مکلف تھے۔ انھوں نے تقریباً ۳۰۰ کتابیں لکھیں جن میں سے اکثر ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے تھیں اور جن کی بنیاد محض سنی سنائی باتوں پر تھی۔ علم اور تحقیق سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ لکھنؤ میں ان کے مواعظ میں اس وقت کے منتخب

روزگار اہل علم کے علاوہ لکھنؤ یونیورسٹی، سلطان المدارس اور جامعہ ناظمیہ کے اعلیٰ درجات کے ایسے ایسے طالب علم شرکت کرتے تھے جو اس وقت تو ان کے دسترخوان علم کے ریزہ چیں تھے مگر آج بڑے بڑے ذاکر بن کر لاکھوں میں کھیل رہے ہیں۔ ان کے لئے مولانا کے وعظ میرا انیس کے اس شعر کے مصداق تھے:

منبر پہ گئے گئے ہم نئے مضمون لے کر

ان کے لئے گویا من و سلوی اتر ا

علم و حکمت، عدل پروری، ضبط نفس، قناعت، جفاکشی، صبر، بے خوئی، پاکبازی، صاف گوئی، اعتدال پسندی، حلم، سیرچشی، خندہ پیشانی، شرافت اور خلوص ایک انسانیت دوست اور مکمل روادار کی صفیتیں ہیں اور یہ سارے صفات حمیدہ مولانا سید علی نقی صاحب مرحوم میں موجود تھے۔ اور میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ وہ بیسویں صدی کے شیعہ علماء میں

اور ان کے نکات علمی نے مزہ دینا شروع کیا۔ اور پھر جب تک لکھنؤ میں رہا ہر رمضان میں وقت مقررہ پر پہنچ جاتا تھا۔ اس زمانے میں زوال کا وقت ۱۲ بجے دوپہر کو آتا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے موقع پر ایک گھنٹے کا اضافہ کیا گیا دستور یہ تھا کہ ساڑھے بارہ بجے نماز پڑھائی، ایک بجے وعظ کہنے منبر پر بیٹھ گئے، ایک گھنٹے کی تقریر دل پذیر کے بعد ۲ بجے منبر سے اترے اور سیدھے لکھنؤ یونیورسٹی کے لئے روانہ ہو گئے۔ مجمع کا یہ عالم تھا کہ اگر ۱۲ بج کر ۳۵ منٹ پر مسجد پہنچتے تو جگہ مشکل سے ملتی تھی اور لاؤڈ اسپیکر نہ ہونے کی وجہ سے لطف اندوز بھی نہ ہوا جاتا تھا۔

وہ مولانا علی نقی جو بات چیت میں کم گو اور کم سخن تھے (جو دلیل فصاحت و بلاغت ہے) منبر پر بالکل ضد نظر آتے تھے۔ بقول انیسؒ

جو ہر کھنچے پہ کھلتے ہیں تیغ اسیل کے

بیان میں وہ تیزی، وہ طراری، وہ صفائی، وہ لطافت، وہ روانی کہ بے ساختہ سبحان اللہ نکل جاتا تھا۔ مولانا مرحوم علم و فضل کے جس مرتبے پر فائز تھے اسی مناسبت سے انتہائی بلند نظر اور روادار تھے۔

روادار کی تعریف یہ ہے کہ وہ اپنے مخالف کے اخلاق پر کوئی حملہ نہیں کرتا اور نہ اس کے سب و شتم کا جواب ترکی بہ ترکی دیتا ہے۔

مولانا سید علی نقی صاحب مرحوم کو نمائشی شکل اور ملمع کا صورت کے حامل مولویوں کی طرح فساد کا ذریعہ بننے سے سخت نفرت تھی۔ حقیقی عالم کی طرح وہ اصلاح مذہب

سرفہرست ہیں۔

میں نے اپنے عہد کے جن علماء کو دیکھا ان میں وضع دار علماء تو دیکھے لیکن صاحب کردار اور مستغنی عالم ان جیسا نہیں دیکھا۔ متعدد واقعات میرے دیدہ و شنیدہ ہیں۔ ”مشتے نمونہ از خردارے“ کے طور پر دو ایک واقعات کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔

یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب لکھنؤ میں مولانا کا نادر کتب خانہ جلایا گیا تھا اور خود مولانا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے منسلک تھے۔ اور وہیں قیام پذیر تھے۔ اسی زمانے میں مولانا بمبئی تشریف لائے اور اپنے ایک فدائی جناب جعفر علی اصیل کے مکان پر قیام فرما تھے۔ ایک دن اصیل صاحب نے پوچھا کہ اب آپ کا کیا پروگرام ہے، ریٹائر ہونے کے بعد مستقل قیام لکھنؤ میں رہے گا یا علی گڑھ میں؟ تو مولانا نے فرمایا:

”مطالعہ وغیرہ کی جو سہولتیں علی گڑھ میں مہیا ہیں ان کے پیش نظر میں نے علی گڑھ بسانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ زمین خرید لی ہے۔ ریٹائر ہونے کے بعد جو فنڈ ملے گا اس سے مکان کی تعمیر کراؤں گا۔ اور جب مولانا بمبئی سے رخصت ہونے لگے تو اصیل صاحب نے ایک رقم مولانا کی خدمت میں پیش کی اور یہ کہا کہ تعمیر شروع کر دیجئے آئندہ اور ارسال کروں گا۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ سال چھ مہینے بعد ایک دن جب میں اصیل صاحب کے یہاں گیا تو انھوں نے کہا کہ مولانا جس دن سے گئے ہیں کوئی خط ہی نہیں لکھا۔ نہ معلوم مکان کا کیا ہوا، جو رقم دی گئی تھی اس سے تو مکان نہیں بن

سکتا، تم مولانا کو لکھو اور دریافت کرو کہ اور کتنی رقم درکار ہوگی، اصیل صاحب کی طرف سے خط لکھا گیا اور تقریباً ایک ماہ بعد اس کا جواب آیا جس کا ماحصل یہ تھا:

”آپ کی رقم اور خود میں جس حد تک فراہم کر سکا اس سے مکان بن گیا ہے۔ صرف فرش کچا ہے اور بجلی نہیں ہے، چونکہ ہر دو کا تعلق تعیش سے ہے اس لئے جب میرے پاس ہوگا یہ کام بھی ہو جائے گا۔ آپ کی امداد اس سلسلے میں میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔“

ہم نے تو آج تک ایسا کوئی مولوی نہیں دیکھا جس کو کوئی رقم دینے کی ضد کر رہا ہو اور وہ شرعی احکام کو مد نظر رکھ کر انکار کر دے، وہ جو کہا گیا ہے کہ

”مولوی پیارا نہیں ہوتا، مولوی کا کردار پیارا ہوتا ہے۔“

ایسے ہی سیرچشم اور خدا رسیدہ مولویوں کے متعلق کہا گیا ہے۔

اب ذرا ایک واقعہ ان کے حلم و بردباری، حق و صداقت اور طہارت و وسعت کا بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

جوش کا شعر ہے

اپنے خلاف بات سنیں اور خوش رہیں
ذہنوں میں وہ طہارت و وسعت کہاں اے جوش

ایک صاحب تھے فاروقی صاحب (پورا نام یاد نہیں آ رہا ہے) لکھنؤ کے محلہ شاہ گنج میں رہتے تھے۔ میری ان کی ملاقات مغل مسجد بمبئی سے ملحق ”کینے دلشاد“ میں ہوئی۔ بہت پابند صوم و صلوة بزرگ تھے۔ ایک دن ہم چند

حسین“ سے تھا۔ بعض لوگوں نے عوام کا لالعام کو یہ باور

سے میرا کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ لیکن وہ لوگ ضرور قابل مواخذہ ہیں جو اس حرکت کے ذمہ دار ہیں اور یہ فیصلہ بروز حشر ہوگا۔“

پاکیزگی خیال اور طہارت نفس سے مملو اس تجزیے نے مجھے اتنا متاثر کیا کہ میں نہ صرف مولانا کا شیدائی ہو گیا بلکہ سارا کام کاج چھوڑ کر سیدھا یگانہ چنگیزی کے گھر پہنچا۔ وہ بھی شاہ گنج میں رہتے تھے اور میرے ان کے مراسم تھے۔

میں نے ان سے کتاب مانگی، آدمی ذرا اکھڑ مزاج تھے، کہنے لگے دوں گا نہیں۔ یہیں بیٹھ کر پڑھنا چاہو تو پڑھ لو۔

غرض ایک ہفتے کے اندر میں نے وہ کتاب پڑھ لی اور ان مقامات کو کئی کئی مرتبہ پڑھا جو ہدف اعتراض تھے۔ مطالعہ چونکہ کھلے ذہن سے کیا تھا اس لئے مجھے تو کوئی جھول نظر نہیں آیا۔

کرادیا ہے کہ علی نقی دشمن حسین ہے تو یہ سب مجھے دشمن حسین سمجھ کر کہا۔ اسے تو اس کا اجر ملے گا وہ ماجور ہوگا اور آپ نے ایک مُحب حسین کے ساتھ یہ برتاؤ کیا۔ آپ کو گناہ ہوا۔“

میں بیچ بیچ میں جی، جی، تو کہہ رہا تھا۔ لیکن اندر ہی اندر یہ بھی کہہ رہا تھا کہ واہ مولانا۔ ہم تو آپ کے لئے لڑ گئے اور آپ ہیں کہ اُلٹے ہمیں کو مور و الزام قرار دے رہے ہیں۔ مولانا فرماتے رہے:

”اس نے صدق دل سے سمجھ لیا ہے کہ میں ”دشمن حسین“ ہوں اور دشمن حسین کسی قصیدے کا نہیں انہی کلمات کا مستحق ہے جو وہ زبان پر لایا۔ اس لئے وہ نہ صرف بے قصور ہے بلکہ اجر و ثواب کا حق دار ہے۔ غلطی اور گناہ تو ان لوگوں کا ہے جنہوں نے نہ جانے ایسے کتنے سادہ لوح افراد کو جنہوں نے نہ کتاب پڑھی ہے اور نہ کتاب پڑھنے کی صلاحیت ہے، ورغلا رکھا ہے۔ اس لئے ایسے سادہ لوح افراد

نشانِ راہ (ہندی)

مجاہد ملت خطیب انقلاب مولانا سید حسن ظفر نقوی اجتہادی کے انقلاب انگیز، حوصلہ خیز اور ہمت پرور مقالات کا مجموعہ ”نشانِ راہ“ ہندی میں چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے مومنین سے گزارش ہے کہ جلد سے جلد حاصل فرما کر فائدہ اٹھائیں۔
ناشر: نور ہدایت فاؤنڈیشن امام باڑہ غفران مآب ﷺ، چوک لکھنؤ قیمت: ۲۵ روپے

تصور مہدی علیہ السلام

ترجمہ تصنیف آیۃ اللہ شہید سید باقر الصدر علیہ الرحمۃ

ناشر: نور ہدایت فاؤنڈیشن امام باڑہ غفران مآب ﷺ، چوک لکھنؤ قیمت: ۲۵ روپے